گلزار
بوسکی کا پنچ تنتر
گدھا، اُف، بڑا ہی گدھا ہے
تیسرا حصہ
قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی
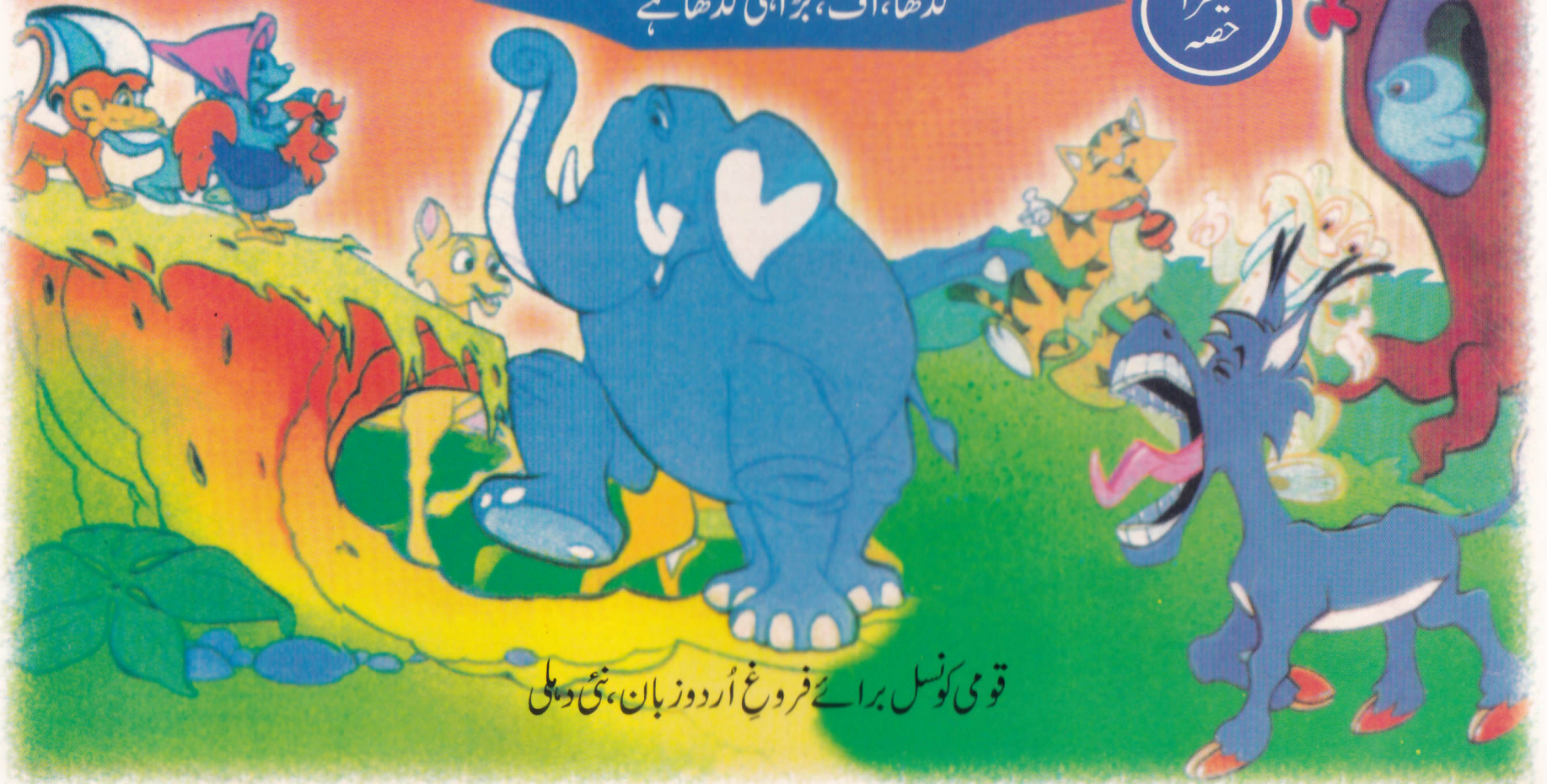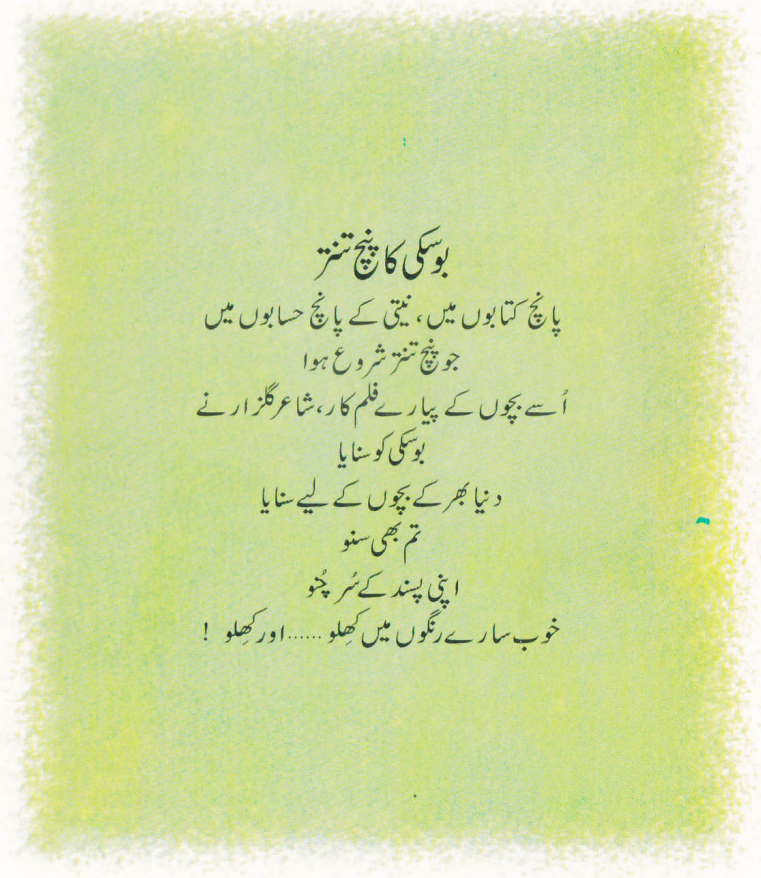
بوسکی کا پنچ تنتر

پانچ کتابوں میں، نیتی کے پانچ حسابوں میں
جو پنچ تنتر شروع ہوا
اُسے بچوں کے پیارے فلم کار، شاعر گلزار نے
بوسکی کو سنایا
دنیا بھر کے بچوں کے لیے سنایا
تم بھی سنو
اپنی پسند کے سُر چُنو
خوب سارے رنگوں میں کِھلو ...... اور کِھلو !

بوسکی کا پنچ تنتر
تیسرا
حصہ
گلزار
III-1
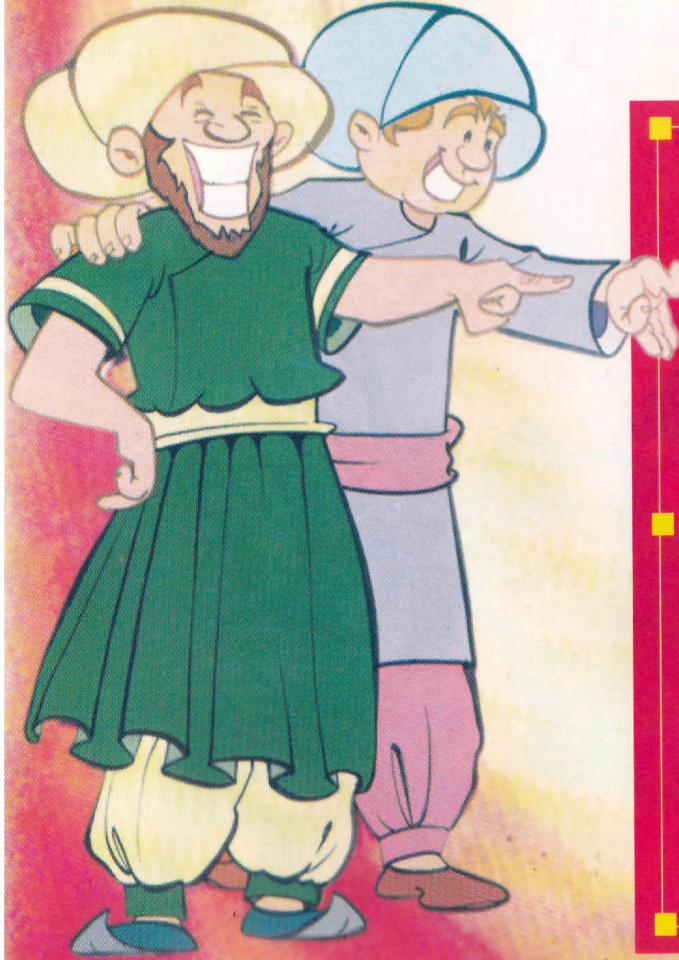
Boski Ka Panchtantra (Part - 3)

By: Gulzar

© مصنّف

سنہ اشاعت : 2003

پہلا اردو اڈیشن : 2000

قیمت : -/30

سلسلۂ مطبوعات : 1139

پیشکش اور خیال : یشونت ویاس

مصوری : یو۔ بی۔ سی۔ فیچرس ورلڈ، حیدر آباد

ISBN-81-7587-030-3 (Set)
ISBN-81-7587-033-8

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،
ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : رادھا کرشن پرکاشن پرائیویٹ لمیٹڈ،
7/23، انصاری مارگ، دریا گنج، نئی دہلی 110002

چوتھی کہانی

گدھا ، اُف، بڑا ہی گدھا ہے۔
کہاتھا کہ کھیرے کے کھیتوں میں جانا
تو گانا نہیں۔
مگر چاندنی رات میں دِل مچلنے لگے
تو بے چارہ گدھا کیا کرے ؟
وہ دھوبی ہے نا ؟ وہ بہاری
اُسی کا گدھا ہے
بہُت بوجھ اُٹھاتا ہے دِن بھر
سبھی گندے میلے کچیلے سے کپڑے
کبھی گھاٹ سے گھر
کبھی گھر سے پھر گھاٹ تک لے کے جانا۔
مجبوری بے چارہ نبھاتا ہے پوری
تھکا ماندہ جب لوٹتا ہے تو مالک
رحم کھاکے اُس کو کھُلا چھوڑ دیتا ہے،
چر لے چرا لے۔
کُچھ ایسی ہی اِک رات تھی جب وہ گیدڑ
مِلا تھا اُسے
ادب سے کہا تھا، 'چچا جان آداب' ۔
بس اِتنے میں ہی دوستی ہوگئی تھی۔
بڑا خُوش ہوا تھا گدھا، اِک بھتیجا
مِلا ہے اُسے۔
بھتیجے نے ہی تو دِکھائی تھی کھیروں
کی کھیتی اُسے۔
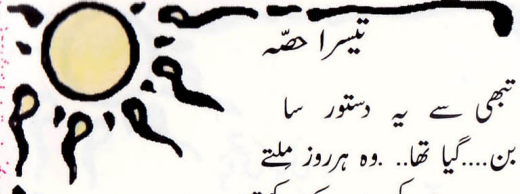
تیسرا حصّہ

تبھی سے یہ دستور سا
بن....گیا تھا.. .وہ ہرروز ملتے
وہ ہر روز کھیروں کے کھیتوں
میں گھُس کے
بہُت سیر کرکے نکلتے وہاں سے
بھتیجا بھی خُوش۔
چچا جان بھی خُوش۔
ہوا یوں مگر پورن ماشی کی رات
چمکتی ہوئی چاندنی کھِل رہی تھی
ہری بھی، بھری بھی، وہ کھیروں
کی کھیتی___
گدھا موج میں آکے کُچھ گنگُنانے لگا___

بھتیجے نے روکا :
'چچا جان ، اِس وقت گانا
مُناسب نہیں ہے،
کِسان جاگ جائے گا ، دیکھے گا
تو خُوب ہوگی پٹائی۔'

گلا صاف کرکے چچاجان بولے :
'تمھیں کیا پتہ گیت-سنگیت کیا ہے،
سنیں گے تو اُڑ جائیں گے ہوش ان کے۔

کِسانوں کی سُدھ بُدھ ہی جاتی رہے گی
کہ ساتوں سُروں کے سہارے تو سارا جہاں
چل رہا ہے۔

بھلا، کون سا راگ تم کو کہو، ہے پسند؟'

بڑے گِھگھیاتے ہُوئے پھر بھتیجے
نے درخواست کی :
' مگر آج آواز بیٹھی ہُوئی لگ رہی
ہے ذرا...
زُکامی طبیعت ہے کُچھ آپ کی
کسی اور دِن، رہنے دیجے، یہ حسرت مِٹا
لیجئے گا۔'

چچا جان کُچھ تاؤ میں آگئے :
یہ چھِٹکی ہُوئی چاندنی
اُس پہ کھیروں کی کھیتی...
اگر اب نہ گایا تو کب گائیں گے ہم؟'

یہ کہہ کے چچا جان نے آنکھیں موندیں،
اِک انداز سے آسماں کی طرف اپنی گردن
اُٹھائی، لگے رینگنے ____

جو گیدڑ تھا وہ پہلے کِھسکا وہاں سے۔
کِسانوں کے کانوں میں آواز پہنچی
اور ہوش اُڑ گئے —

"ارے گھیریو اُس گدھے کو —
اُو رمّوا ، تنِک ہمری لاٹھی اُٹھائیو
پکڑ ، سسُرا ہر روز کھاتا ہے کھیرے ہمار"

کِسانوں نے تو مِل کے بھگدڑ
مچادی
بہُت مارا پیٹا ، دُھنائی کردی۔
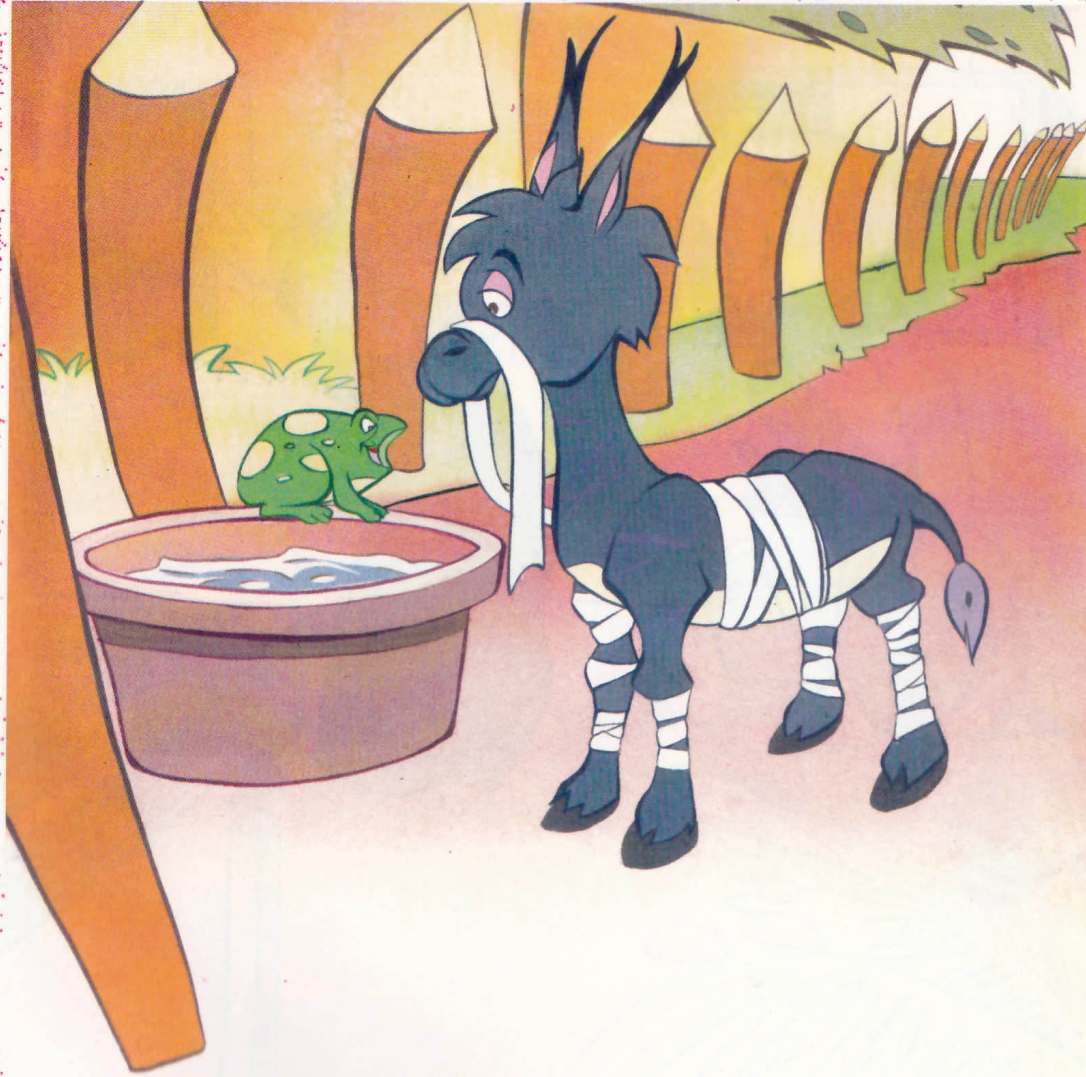
گدھا آج بھی، پر وہی سوچتا ہے :
'کِسانوں کو سنگیت کی سُدھ نہیں ہے۔'
ہے گیدڑ کی رائے ذرا مختلف ___
'گدھا، اُف بڑا ہی گدھا ہے۔
کہا تھا کہ کھیرے کے کھیتوں میں گھُسنا
تو گانا نہیں۔
مگر چاندنی رات میں دِل مچلنے لگے
تو بےچارہ گدھا کیا کرے ؟
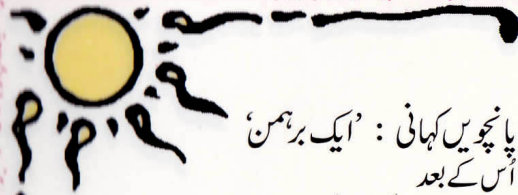
پانچویں کہانی : 'ایک برہمن'

اُس کے بعد
وشنو شرما کی کُٹیا میں
'شکتی' راجا کے بیٹوں کو
نیتی کی وِدّیا لیتے ہوئے
یوُں ایک برس سمپورن ہوا

تینوں جو ایک نِکّمے تھے
کُچھ سیکھ کے اب ہوشیار ہوئے
پھر آلتی مار کے بیٹھ گئے
پڑھنے کو پھر تیّار ہوئے

وشنو شرما بولے پھر
"لو، سُنو نیا اِک قِصّہ ہے
آگے جو سُناوں گا تُم کو
پنچ تنتر کا دوسرا حِصّہ ہے۔"

ایک بے چارہ برہمن تھا
ایک بھلا سا نام بھی تھا
پر 'پنڈت' کہہ کر ہی سارا گاؤں
بُلاتا تھا اُس کو۔

پتنی بھی جب بُلاتی تھی
'اے جی'، 'او جی'، 'سُنتے ہو جی،'
من ہی من کڑھتا بیچارہ
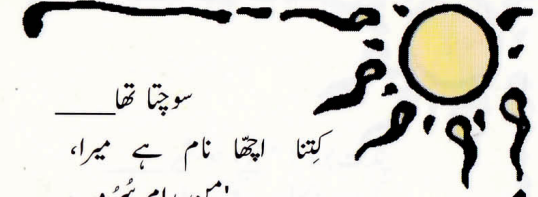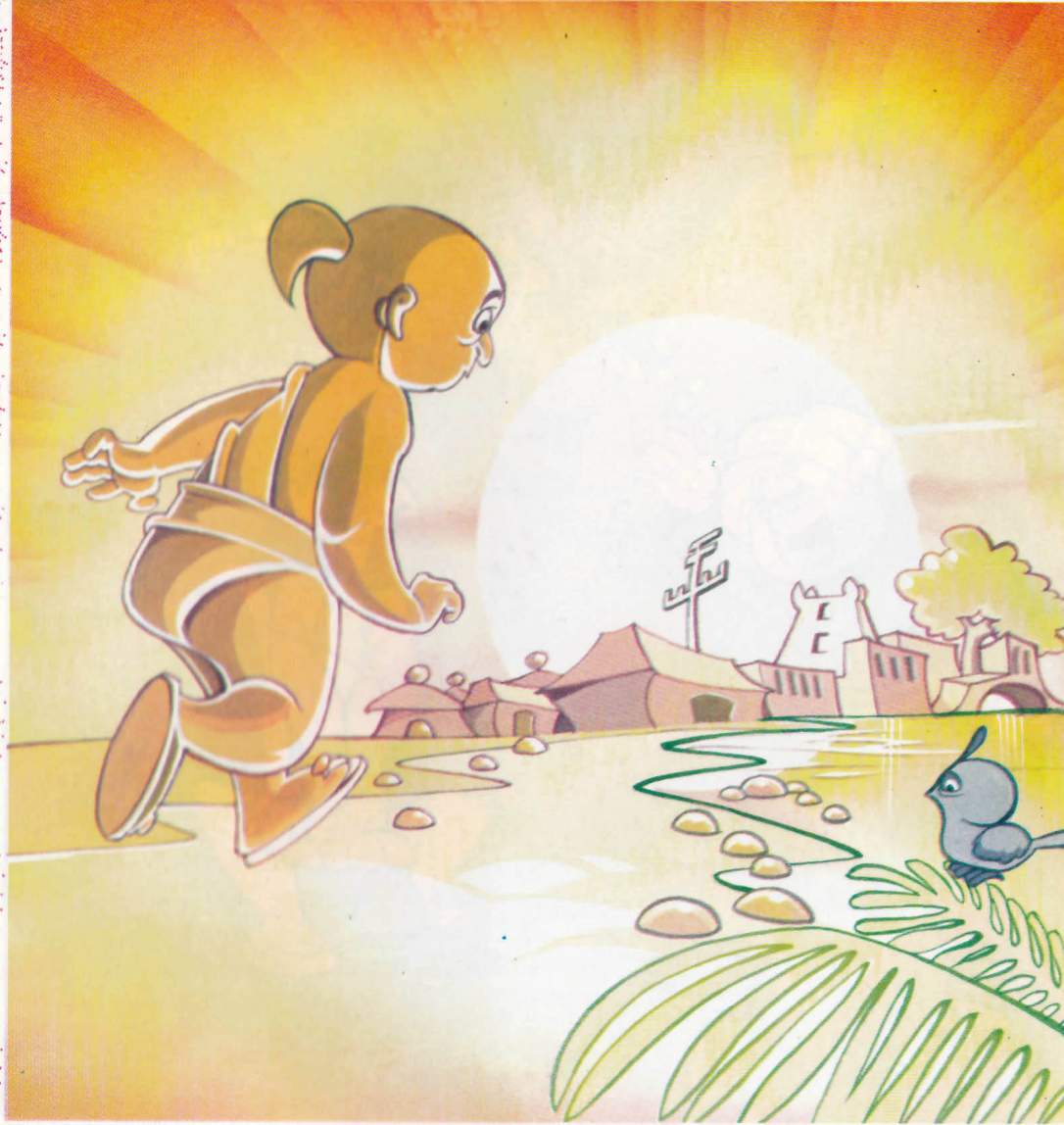
سوچتا تھا___
کِتنا اچھّا نام ہے میرا،
'من رام سُرُوپ
بے کار پڑا ہے
کوئی تو ہو جو کم سے کم 'من رام'
ہی کہہ کے بات کرے۔
بیوی بولی : دھت، پتنی کیا نام
بُلاتی ہے سوامی کا؟
"تو میرے نام کا کیا ہوگا پھر؟
اِس نام کا کوئی لابھ نہیں؟"
بیوی نے سمجھایا آخر:
"نام تو سب کا ہوتا ہے
پر نام کمانا پڑتا ہے
اور نام کمانے کو اچھّے کُچھ کام
بھی کرنے پڑتے ہیں۔
اچھّے کام کرو تو کُچھ تکلیفیں
سہنی پڑتی ہیں
تب نام ہوتا ہے۔"
اگلے دِن وہ برہمن گاؤں چھوڑ کے نِکلا
نام کمانے۔
جاتے جاتے جنگل میں جب پیاس لگی
تو پانی ڈھونڈا۔

ڈھونڈتے . ..... ڈھونڈتے
ایک پُرانے کنویں پر جاکر پہنچا وہ

کنویں میں جھانک کے دیکھا تو
اندر سے کُچھ لوگوں کی آوازیں آئیں:
"ہے کوئی بھگوان کا بندہ
ہم کو اِس اندھے کنویں سے باہر نکالے؟"

کنویں میں اِک شیر تھا
اور اِک بندر گِرا پڑا تھا
آدمی تھا ،اِک سانپ بھی تھا
الگ الگ چاروں کے چاروں
اٹکے ہوئے ، کُچھ لٹکے ہوئے۔

پنڈت جی کو دیکھا تو چاروں چِلّائے:
'رحم کرو ، بھئی دیا کرو
ہم کو اِس اندھے کنویں سے باہر نکالو۔'

پنڈت بولا : "شیر، او شیر ــــــ
کیوں نِکالوں تجھ کو باہر
تُو تو مُجھ کو کھا جائے گا"
شیر بڑی مِنّت سے بولا :
"پنڈت، آج مدد کر میری
کل میں تیری مدد کروں گا۔"
پنڈت جی کو یاد آیا :
نام کمانا ہو تو اچھّے کام تو
کرنے پڑتے ہیں۔
پنڈت جی نے پگڑی کھولی
پگڑی کو بل دے کر ایک بنایا رسّا۔
رسّا کنوئیں میں لٹکایا
شیر سے بولا : "بھینچ کے تھام لو دانتوں میں
میں کھینچتا ہوں"
کھینچتے کھینچتے شیر کو آخر باہر
لے ہی آیا پنڈت۔
شیر نے جھک کر 'تھینکس' کہا
اور کہا کہ، "سامنے والے پربت پر میں رہتا ہوں
پھر جب گذرو اِس جنگل سے،
میرے گھر میں آنا تُم
مُجھ سے تُم ہرگز نہ ڈرنا
مارتا ہوں اُن لوگوں کو
جو مُجھ کو مارنے آتے ہیں۔"

ڈھونڈتے ..... ڈھونڈتے
ایک پُرانے کنویں پر جا کر پہنچا وہ

کنویں میں جھانک کے دیکھا تو
اندر سے کُچھ لوگوں کی آوازیں آئیں:
"ہے کوئی بھگوان کا بندہ
ہم کو اِس اندھے کنویں سے باہر نکالے؟"

کنویں میں اِک شیر تھا
اور اِک بندر گِرا پڑا تھا
آدمی تھا ،اِک سانپ بھی تھا
الگ الگ چاروں کے چاروں
اٹکے ہوئے ،کُچھ لٹکے ہوئے۔

پنڈت جی کو دیکھا تو چاروں چِلّائے:
'رحم کرو ، بھئی دیا کرو
ہم کو اِس اندھے کنویں سے باہر نکالو۔'

پنڈت بولا : "شیر، او شیر ــــــ
کیوں نِکالوں تجھ کو باہر
تُو تو مُجھ کو کھا جائے گا"
شیر بڑی مِنّت سے بولا :
"پنڈت، آج مدد کر میری
کل میں تیری مدد کروں گا۔"
پنڈت جی کو یاد آیا :
نام کمانا ہو تو اچھے کام تو
کرنے پڑتے ہیں۔
پنڈت جی نے پگڑی کھولی
پگڑی کو بل دے کر ایک بنایا رسّا۔
رسّا کنوئیں میں لٹکایا
شیر سے بولا : "کھینچ کے تھام لو دانتوں میں
میں کھینچتا ہوں"
کھینچتے کھینچتے شیر کو آخر باہر
لے ہی آیا پنڈت۔
شیر نے جُھک کر 'تھینکس' کہا
اور کہا کہ، "سامنے والے پربت پر میں رہتا ہوں
پھر جب گُذرو اِس جنگل سے،
مُیرے گھر میں آنا تُم
مُجھ سے تُم ہر گز نہ ڈرنا
مارتا ہوں اُن لوگوں کو
جو مُجھ کو مارنے آتے ہیں۔"

شیرگیا پنڈت نے جھانک کے
دیکھا کنوئیں میں پھررسّا لٹکایا اندر۔

سب سے پہلے اُچھلا بندر
فوراً کود کے رسّا پکڑا
ایک قلا بازی میں زُپ سے اُوپر پہنچا۔

پاؤں چھو کے پنڈت جی کے
اُس نے بھی پَر نام کیا
اور کہا: ''بھوک لگےتومُجھ سے کہنا
اُونچی سے اُونچی ڈالی کا آم کھِلاؤں گا
تُم کو''
'چلتا ہوں اب ،'' کہہ کے بندر
چلا گیا۔

پنڈت نے پھر پگڑی پھینکی ۔
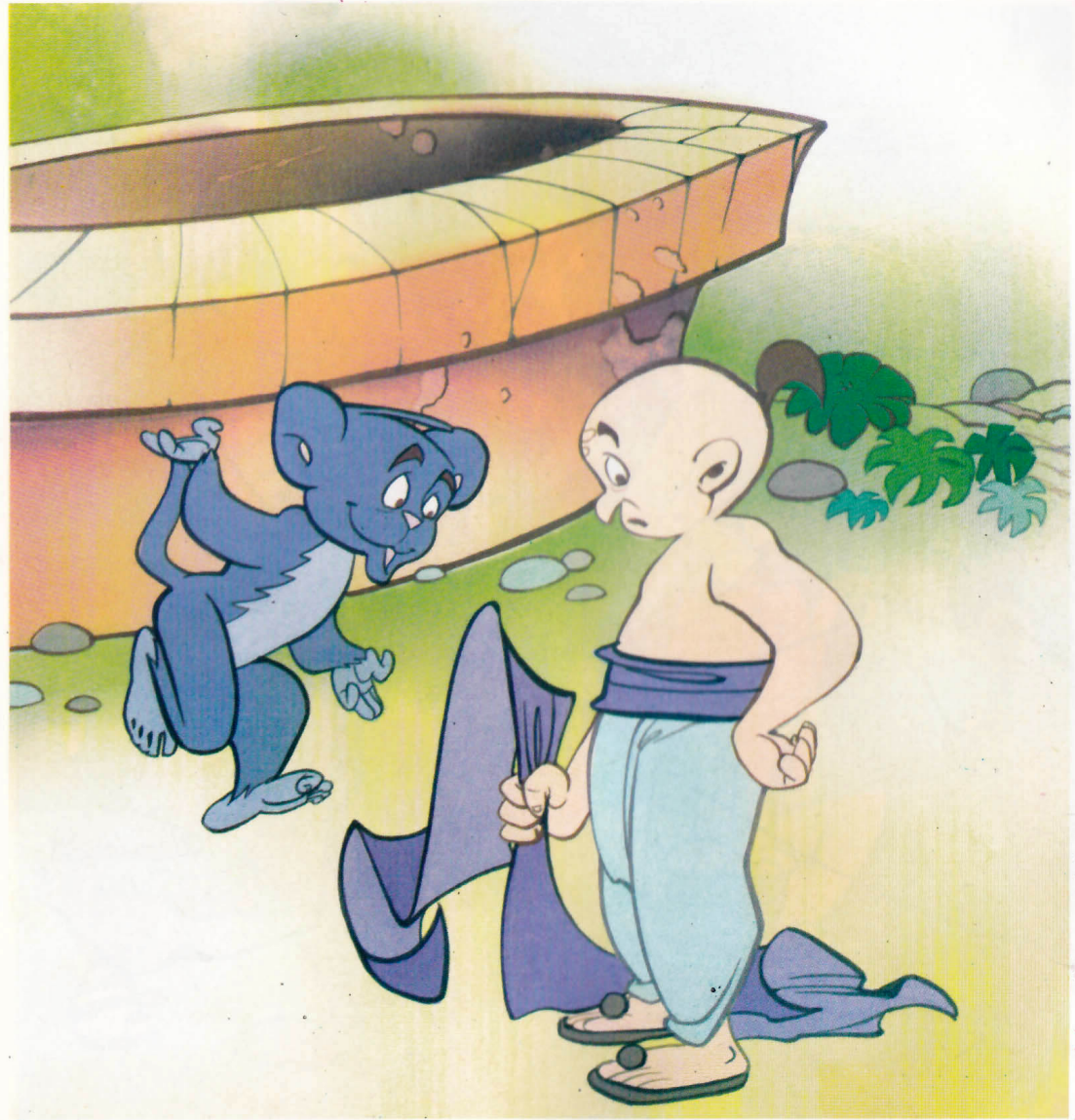
اب کے سانپ لِپٹ کر اُس کے ساتھ ہی
اُوپر آپہنچا
ماتھا چھُو کے مِٹّی سے
پنڈت کا دھنّیہ واد کیا۔
پھُس پھُسی آواز میں بولا:
"پنڈت جی
وہ آدمی ہے نا، کنویں میں___
اُس کی کوئی مدد نہ کرنا۔"

پنڈت کُچھ حیران ہوا
پُوچھا، 'وہ کیوں ؟'
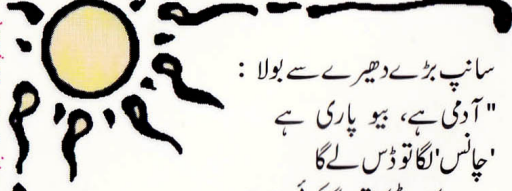
سانپ بڑے دھیرے سے بولا :
" آدمی ہے، بیو پاری ہے
'چانس' لگا تو ڈس لے گا
میرے کاٹے کا تو ہوگا کوئی علاج
اِس کے زہر کا لیکن کوئی علاج نہیں۔"
" کیونکر یہ معلوم ہوا تُم کو کہ
وہ زہریلا ہے؟"
"پنکھ پکھیرو یا چوپایا
پالو تو پل جاتے ہیں۔
اِس کو کوئی پال سکا ہے؟"
پنڈت سوچ میں ڈوب گیا۔
لمبی گہری آہ بھری ا اور بولا سانپ:
"زہریلے ہیں جو بھی 'پرانڑی'، سب جانے پہچانے ہیں
اِس کی پہچان تو کوئی نہیں!
زہریلے ہیں جو زہریلے رہتے ہیں
اِس کا اِیمان تو کوئی نہیں۔"
پنڈت کُچھ گھبرا کے بولا :
'جاؤ جاؤ جاؤ ناگ
تُم کو بیر ہے اِنساں سے
تُم بِن کاٹے بھی ڈستے ہو
میرے من میں گھول کے وِش
تُم اپنے من میں ہنستے ہو'
مُنڈی نیچے کر کے سرّ سے گھاس میں گھُس
گیا سانپ۔
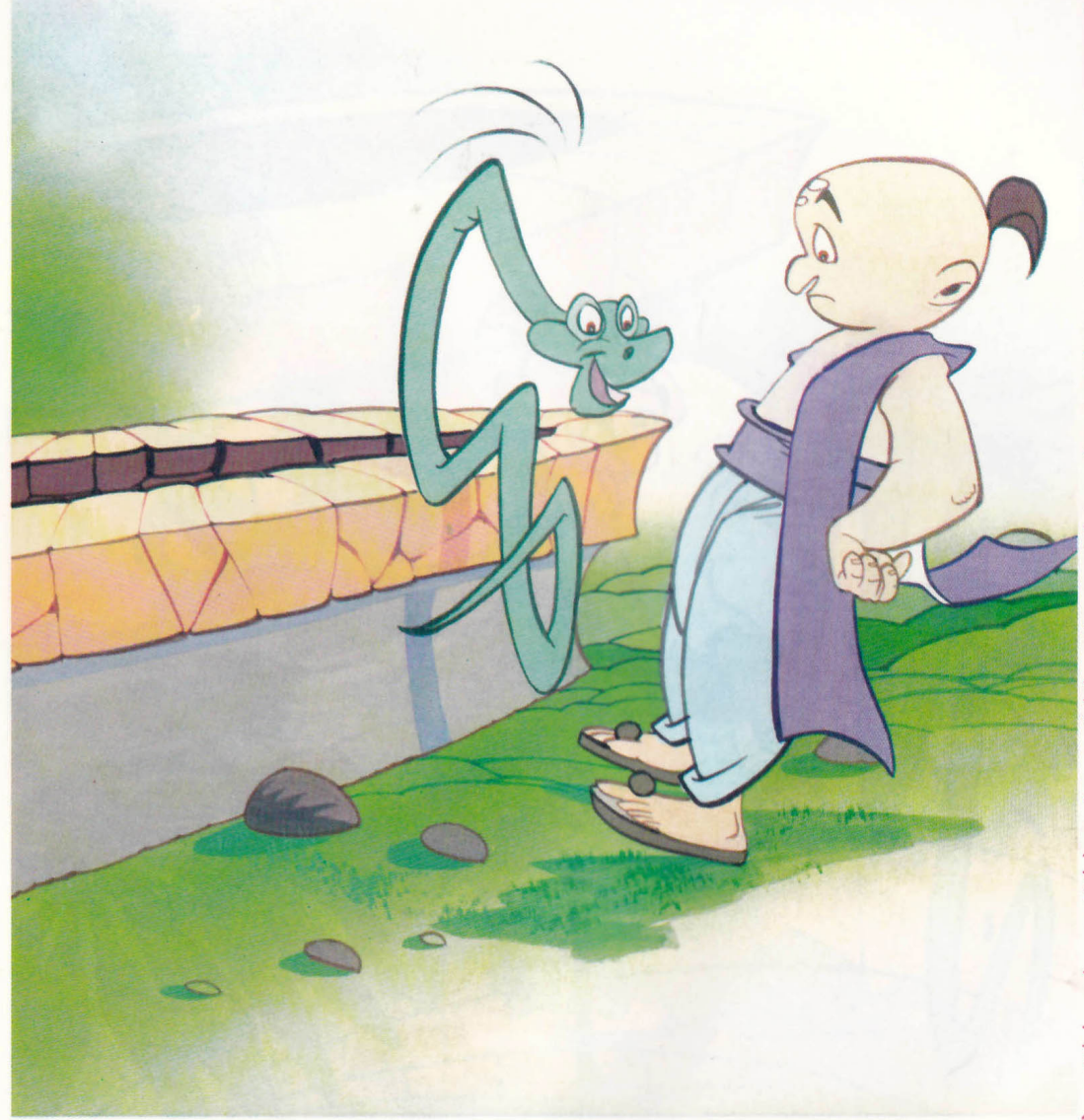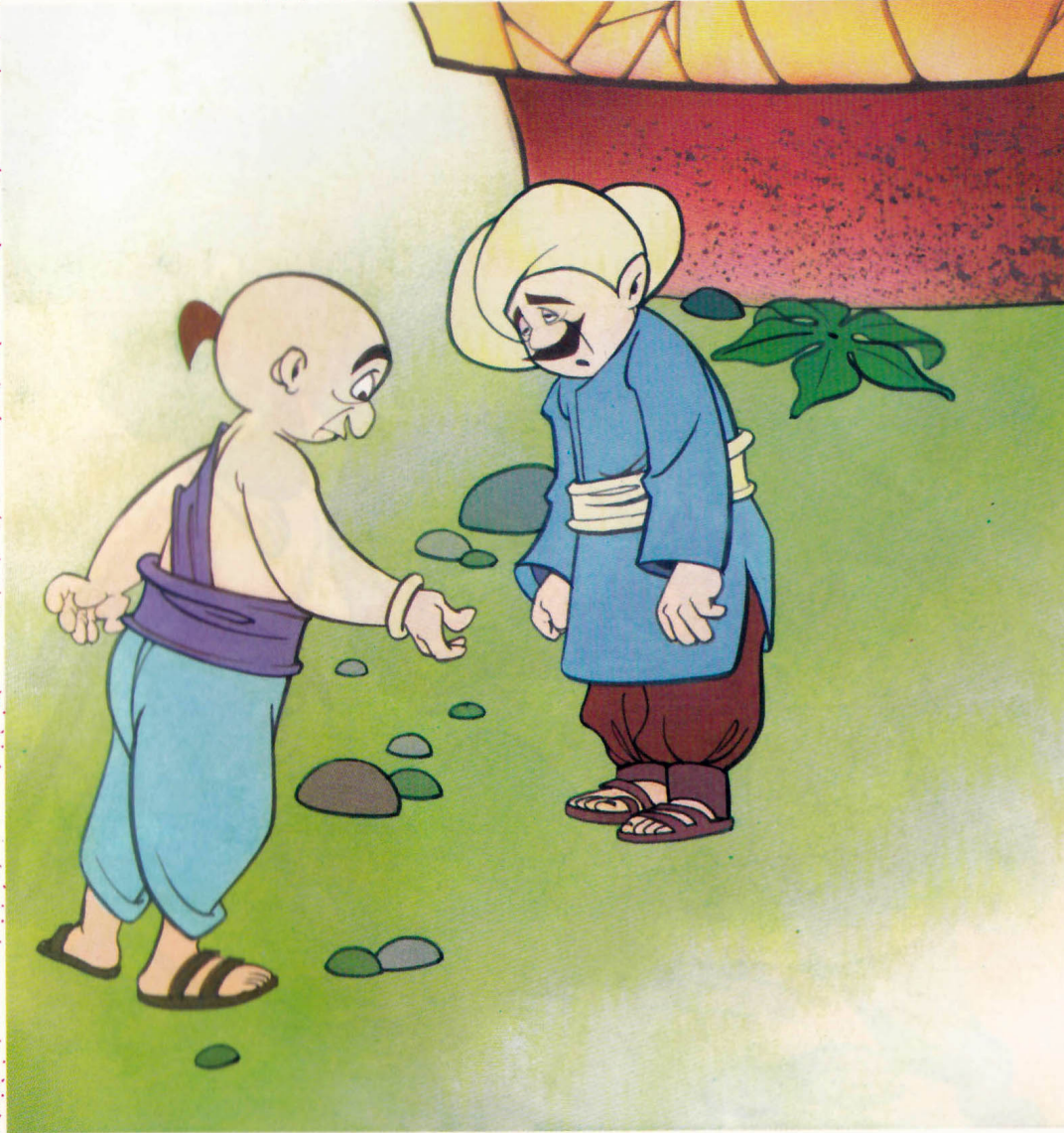
پنڈت پلٹا
پھر کنویں میں ڈالی پگڑی
اور اِس بار جو آدمی نِکلا
ہاتھ جوڑ کر اُس نے دھنیہ واد کہا
اور بتایا ، جوہری ہے
ہیرے پنّوں کا بیوپاری۔
'قیمت پور میں آنا ہو تو
میرے گھر پہ ٹھہریئے گا
آپ کی سیوا کر پایا تو
سمجھونگا ، خوش قسمت ہوں۔'

بھول گیا تھا پنڈت، اُس کو پیاس لگی تھی۔
پگڑی میں پھر باندھ کمنڈل
پانی کھینچا، پیاس بُجھائی اور چلا
جنگل میں آگے!
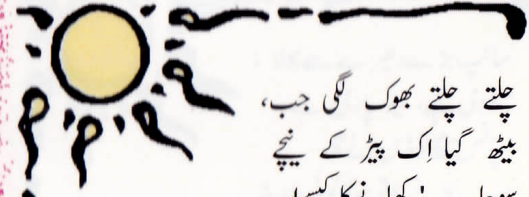
چلتے چلتے بھوک لگی جب،
بیٹھ گیا اِک پیڑ کے نیچے
سوچا___ ' کھانے کا کیسے اب
کروں اُپاے؟'
سوچتے سوچتے جھپکی آگئی۔
جاگا تو دیکھا پنڈت نے
کیلے کے پتّوں پہ سجے سجائے کِتنی قسم کے
پھل پڑے تھے
حیرت سے اُوپر جو دیکھا
بندر ہی بندر بیٹھے تھے
سب نے جوڑ کے ہاتھ، نمستے کی اور بولے:
"آپ نے جان بچائی تھی نا آج ہمارے
ماماجی کی۔
آج سے آپ کی سیوا
کرنا ہر بندر کا دھرم ہوا۔"

اِسی لیے ہر مندر پر پنڈت اور بندر مِلتے
ہیں۔

پنڈت جی نے کھا پی کے آرام کیا،
دو دِن مہمانی بھوگی ،
تیجے دِن پھر آگے نکلے۔
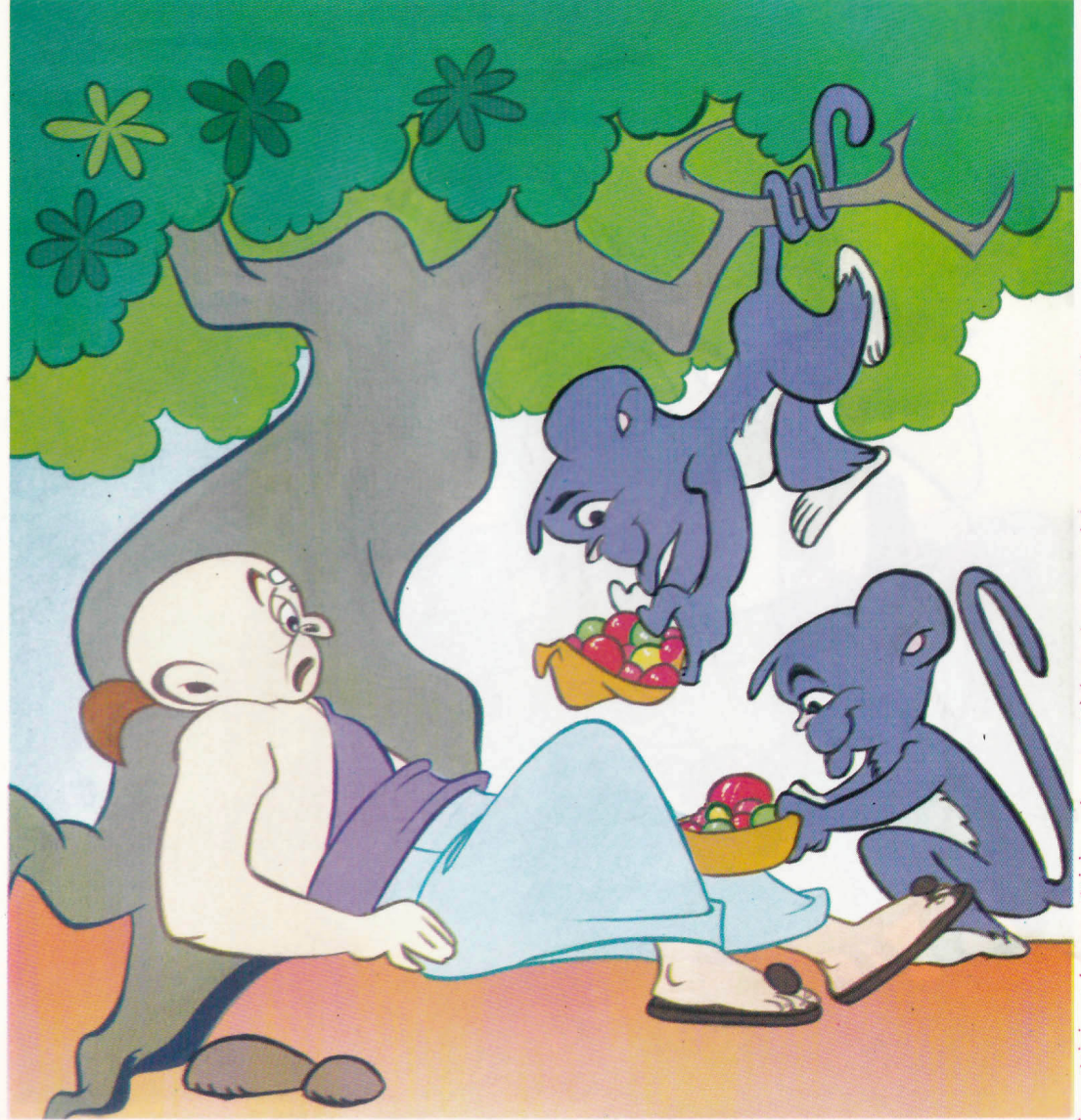
جیسے ہی جنگل سے نِکلے
زور سے کوئی شیر دہاڑا:
ہلوُ ssم۔ہلوُ sssم!!"

سامنے پربت پر دیکھا تو شیر کھڑا تھا
پنڈت کو دیکھ کے شیرو مُسکرایا
آؤ بھگت کی، گھر لے آیا۔

پنڈت جی تھے شاکاہاری
کھاتے تھے سبزی ترکاری۔
آس پاس کے گاؤں میں جاکر
کھیت کھلیان میں گُھس گُھساکر
شیرو گاجر، گوبھی، مُولی، گنّے، کُھیرے
اور نہ جانے کِتنا کُچھ
گٹھری میں بھر کے لے آیا۔

شیر کے گھر بھی پنڈت نے
دو دِن کی مہمانی بھوگی۔

جاتے جاتے شیرو نے اِک تحفہ اُن کو پیش
کیا:
"چھوٹی سی اِک بھینٹ ہے یہ
آپ اِسے سویکار کریں۔"
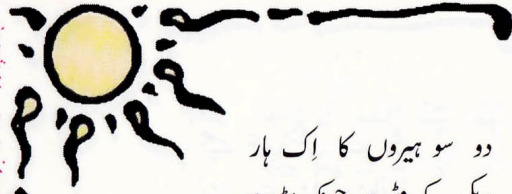
دو سو ہیروں کا اِک ہار
دیکھ کے پنڈت چونک پڑے
کہیں کہیں سے ٹوٹ رہا تھا۔

سوچا : قیمت پور میں جاکر
اپنے واقف جوہری سے
اِس کو ٹھیک کرالیں گے۔

شیر سے آ گیا لے کر پنڈت
سیدھے قیمت پور میں آئے۔

ہار دِکھایا جوہری کو اور پُوچھا:
"ٹھیک تو ہوسکتا ہے؟"

جوہری بولا،" آپ ذرا آرام کریں
میں پُوچھلوں اپنے کاریگر سے۔"

پنڈت جی کو چھوڑ کے گھر میں
جوہری پہنچا راج محل میں
ہار دِکھایا راجا کو
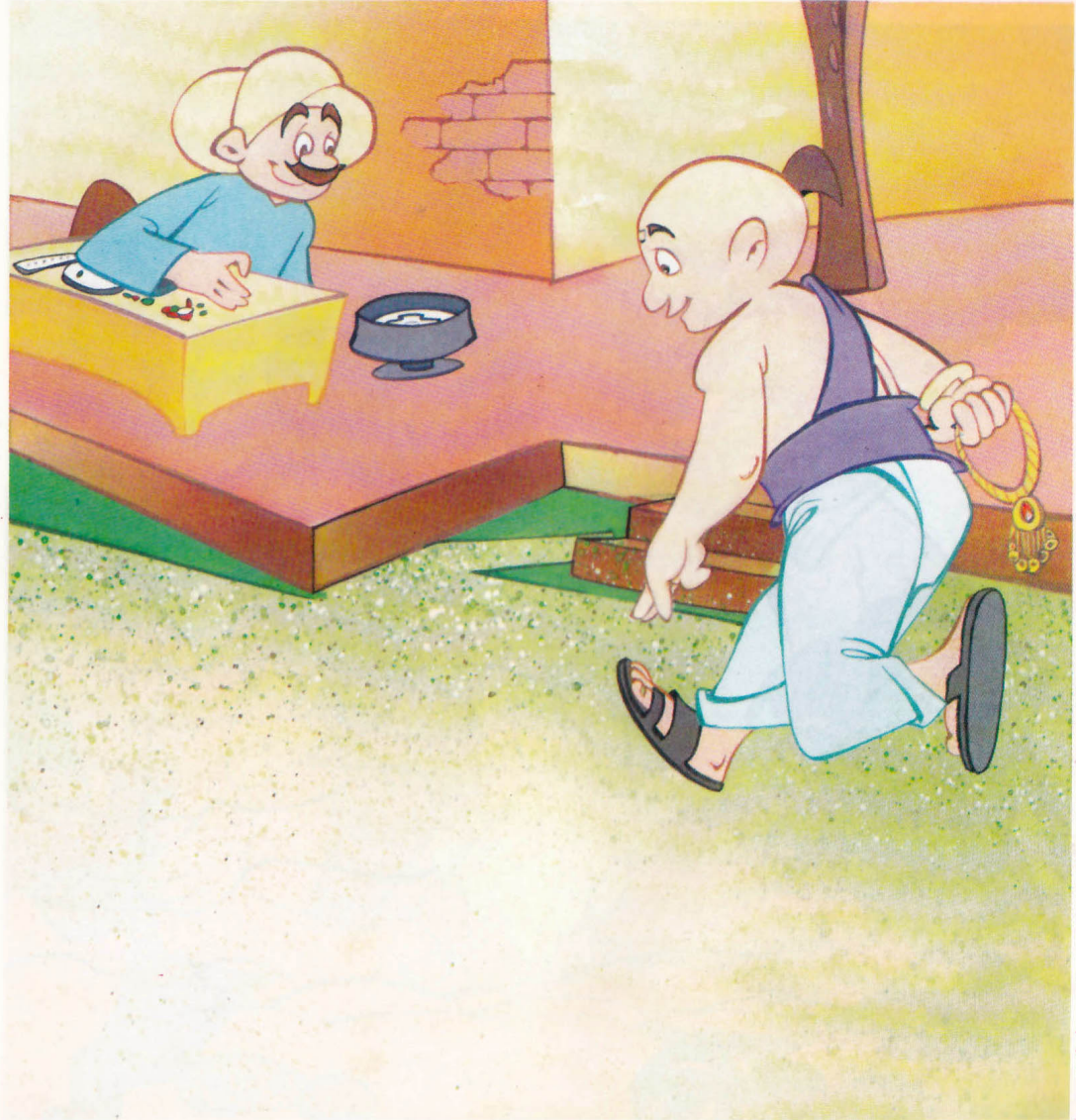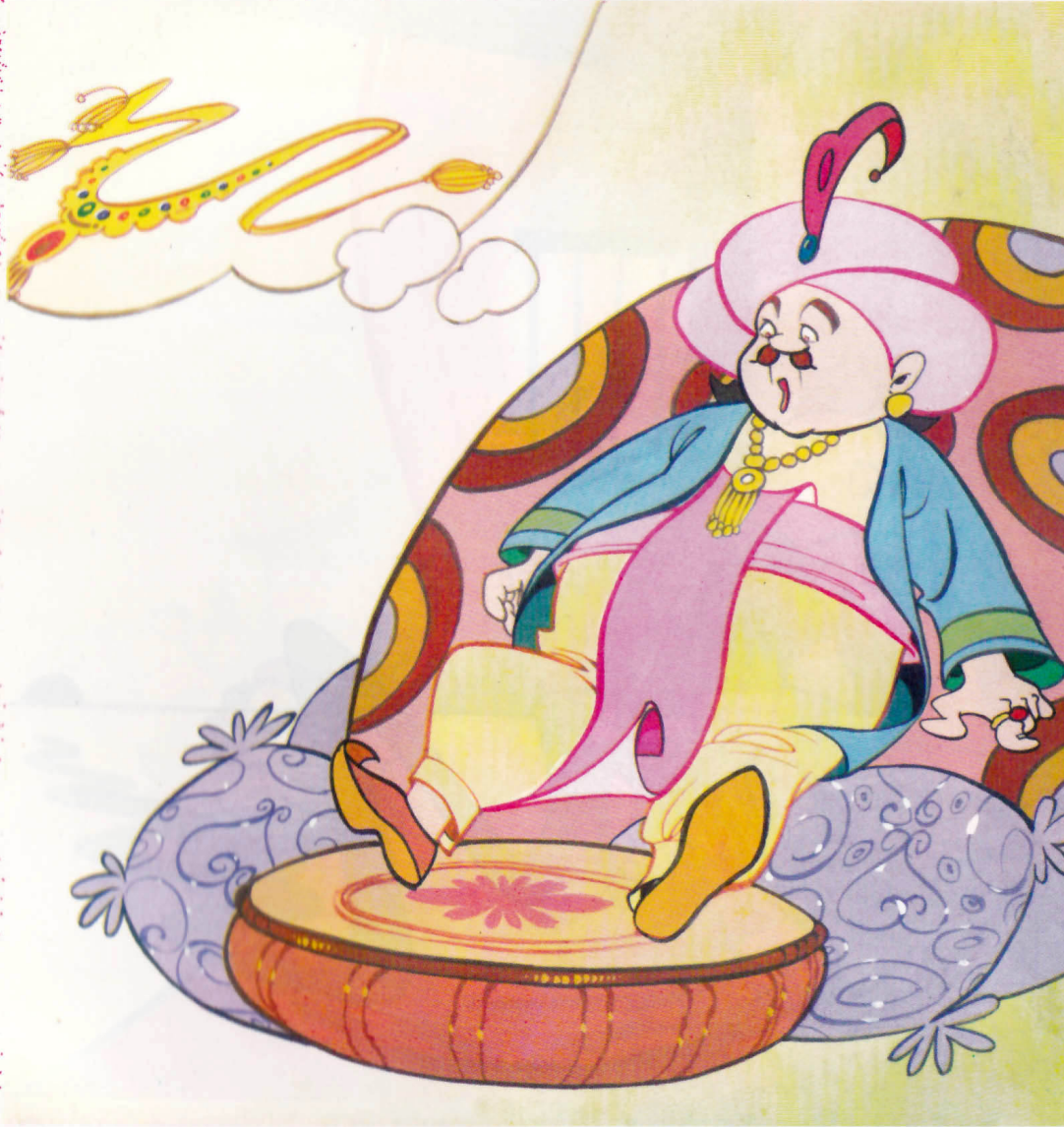
”مہاراج ، یقیناً ہار وہی ہے
پچھلے سال یہی تو دِن تھے___
یاد آیا نا___
راج کنور یہ کہہ کے گھر سے نکلے تھے
جنگل میں شیر کو ماریں گے۔
اُس روز یہی تو ہار تھا وہ،
جو پہنا تھا شہزادے نے
اب یاد آیا نا؟
اُس آدمی نے
اِس قیمتی ہار کے لالچ میں
مہاراج، ہمارے راج کنور کی
ہتّیا کی ہے،
یاد آیا نا؟"

راجا نے فوراً حُکم دِیا :
"قید کرو اُس پاپی کو
اور جیل میں سڑ کے مرنے دو۔"
جوہری کو اِنعام دِیا اور وداع کیا۔

پنڈت بے چارہ
قسمت کا مارا
جیل کی چکّی پیستا تھا، پچھتاتا تھا:
" کیوں بیوپاری جوہری کا وشواس کیا؟"

اُسی سمے
شوں ss شوںss کی آواز سُنائی دی
پنڈت کو
مُڑ کے دیکھا تو کونے میں سانپ کھڑا تھا۔

" کیوں پنڈت جی، کیا بولا تھا
کہا تھا نا، بیوپاری ہے !"

پنڈت ماتھا پیٹ کے بولا____
''معاف کرو بھائی، مُجھ سے یہ اپرادھ ہوا
پر جان بچاؤ،
کوئی ایک اُپائے بتاؤ۔''
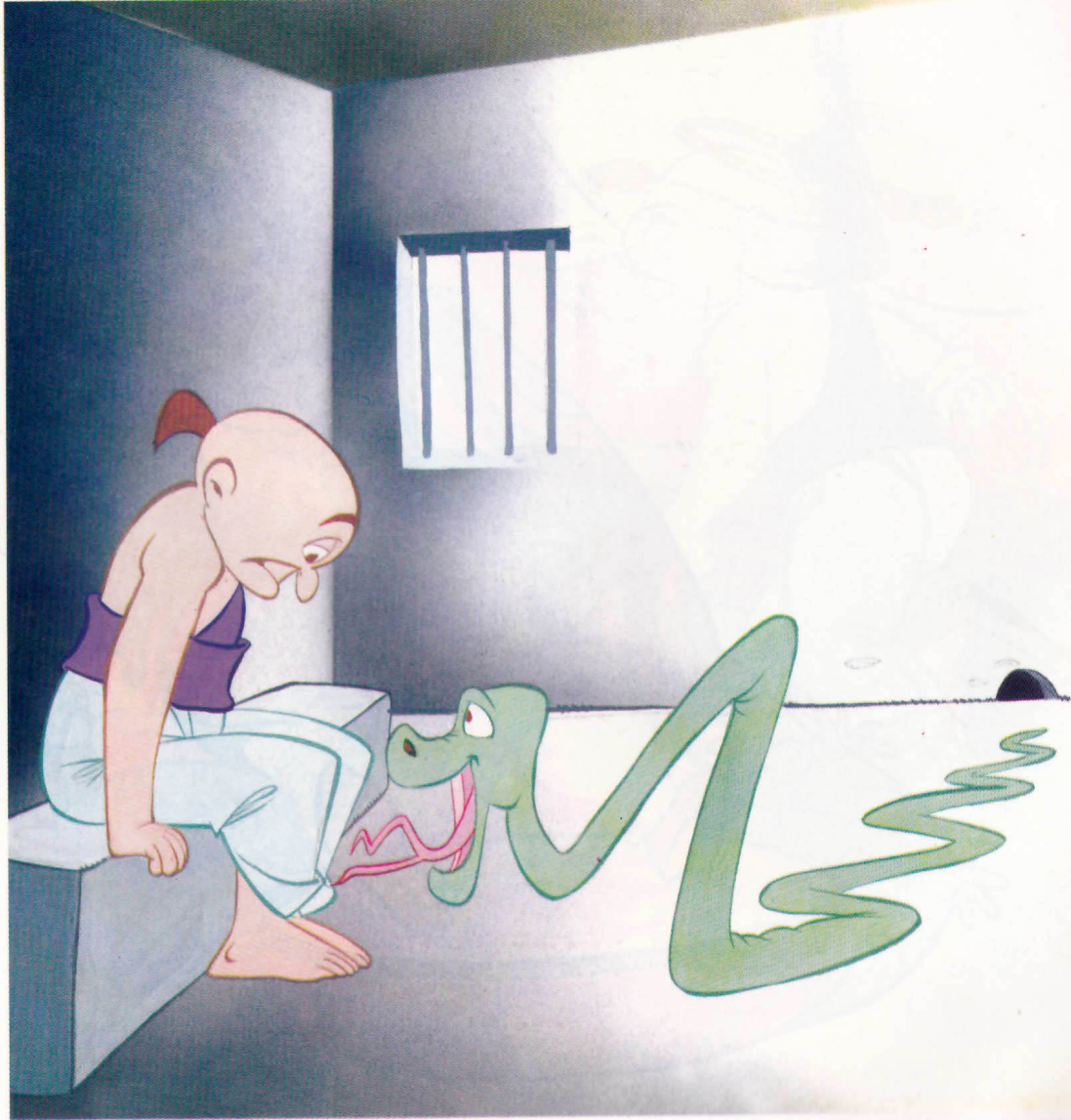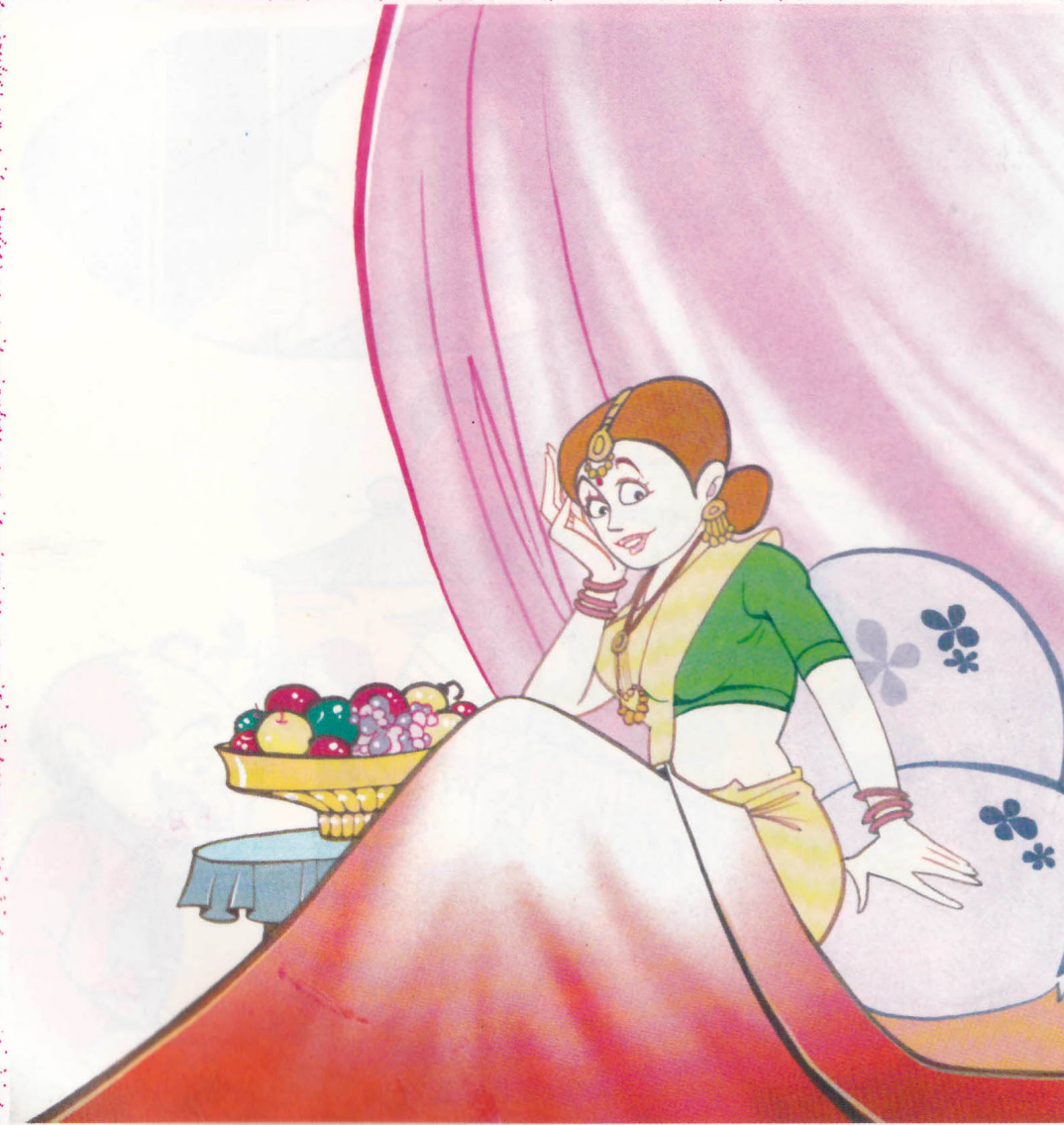
سانپ ذرا سا جھوم کے بولا:
"سب کُچھ سوچ کے آیا ہوں میں
اب جو کہتا ہوں وہ کرنا۔
میں راجا کی رانی کو ،جب باغ میں آئے
گی، ڈس لوں گا۔
راج پاٹ میں شور مچے گا____
کوئی بچائے
راجا کی رانی کا جیون کوئی بچائے...!
جب تک تُم نہ پہنچو
رانی ویسے ہی بے ہوش رہے گی
میرا زہر نہیں اُترے گا۔"

"لیکن اُس کو ہوش میں کیسے لاؤں گا میں؟"

"بتلاتا ہوں____
بائیں پیر کے انگوٹھے کے ناخن میں
میرا زہر چھپا ہوگا
ناخن کھینچ کے میرا زہر گرا دینا
رانی ہوش میں آجائے گی۔"
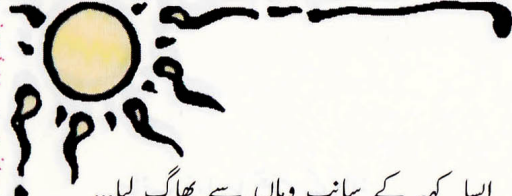
ایسا کہہ کے سانپ وہاں سے بھاگ لیا...
چوکیدار کے آنے کی آواز کہیں سے
آئی تھی۔

اگلے دِن ہی راج پاٹ میں شور مچا
'رانی کو زہریلے ناگ نے
کاٹ لیا،
کوئی بچائے،
راجا کی رانی کا جیون کوئی بچائے۔'

بڑے بڑے سب وید حکیم بھی ہار گئے
رانی ہوش میں نہ آئی۔

راجا نے اعلان کِیا :
"جو کوئی ہوش میں لائے میری رانی کو
اُس کو مالا مال کروں۔"

جیل کے دروازے پر بیٹھے چوکیدار
جانے کِیا کِیا ہانک رہے تھے۔

پنڈت جی نے پاس بُلا کر
کہا کہ، "راجا سے کہہ دو،
موقعہ دو، میں ہوش میں لاسکتا ہوں
رانی ماتا کو۔"
چوکیدار نے سمجھا یُونہی پھینک رہا ہے،
جیل سے بھاگ نکلنے کی شاید کوئی
ترکیب ہے یہ۔
اُس نے ہنسی ہنسی میں یونہی داروغہ سے بات کری۔
'جیل میں ہی۔ہی ... پاگل ہے ،ہو۔ ہو....کہتا ہیکہ
ہی۔ہی ہوش میں لاسکتا ہے،ہی۔ہی۔ہی۔ہی
رانی کو۔'
داروغہ نے افسر سے،
افسر نے اپنے افسر سے
اور افسر نے اُس افسر کے
افسر نے جب بات کہی
کہتے کہتے راجا تک جا پہنچی بات۔
راجا نے بُلوا بھیجا اُس پنڈت کو۔
پنڈت رانی کے چرنوں کے آ کر پاس
ہی کھڑا ہوا۔
بائیں پیر کے انگوٹھے کا ناخن کھینچا
سارا زہر نکل آیا
دھیرے دھیرے رانی ماں نے آنکھیں کھولیں،
ہوش میں آئیں۔
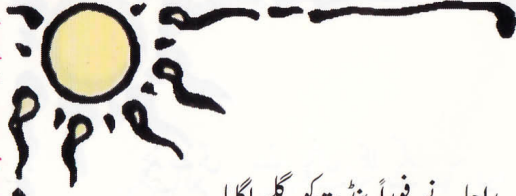
راجا نے فوراً پنڈت کو گلے لگایا
پُوچھا، ‘کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟’

"من رام سَرُوپ ہے نام ہمارا
اور ہم جیل سے آئے ہیں۔"

"جیل سے کیوں ؟"

پنڈت جی نے شروع سے لے کر آخر تک
سب کہہ سُنائی
راجا کو افسوس ہوا اور کہا
بُلا کے منتری سے:
"جیل میں ڈالو پہلے اُس بیوپاری کو
من رام سَرُوپ کا اِس میں کوئی دوش نہیں
من رام کو مالا مال کرو۔"

نام کما کر گاؤں لوٹا من رام سَرُوپ
آج بھی اُس کے نام سے ہی مشہور ہے
وہ "من رام پورہ "۔